OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com

”افکار صوفیاء، قرآن وسنت کی روشنی میں“ میں تصوف پر نقد کا تجزیاتی مطالعہ

An Aanalytical study of Criticism in Sufism in *"Afkār-r-Soofiā, Qurān-o-Sunnat kī Roshanī mein"*

Muhammad Rizwan ul Haq
PhD scholar, Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Gujrat
Dr. Muhammad Haseeb
Lecturer, department of Islamic Studies, University of Gujrat, Gujrat

Abstract

Sufism has various acceptances. A large portion of Muslims have accepted it as important Islamic entity and lived their lives accordingly. On the other hand, some others have denied it and considered it against Islam and its teaching. It is because of the teachings mixed in Sufism by the people after the reign of Khair ur Qurun. Some mutualistic and worldly greedy people confused the real teachings of Sufism with that of Chinese, Buddhist and Greek thought of meditation. There was a time when Sufism was considered as meditation and living life of loneliness and being separated from society was considered to be more powerful in relation with Allah. But in actual it was a right concept. In this regard a lot of Islamic Scholars criticised Sufism as a negative image of Islam and treated it as against the teachings of Islam. This article deals with one of those concepts and clears that real Sufism is not against Islam. It clears that there are some misconceptions among

CC BY

scholars and general masses about Sufism. These misconceptions must be removed by literary activities.

Key Words: Sufism, Criticism, misconceptions, Scholars of Islam

تمہید

لفظ 'تصوف' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ باب تفعل سے ہے اور اس باب کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ایسے فعل کا تقاضا کرتا ہے جو دشوار ہو۔ قرآن اور احادیث میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ علمائے لغت اور صوفیاء نے اس کے کئی معانی بیان کیے ہیں۔ درحقیقت تصوف سے مراد وہ راہ لی جاتی ہے کہ جس میں نفسانی خواہشات کے خلاف چلا جاتا ہے جو کہ ایک بڑا مشکل کام ہے۔ نفسانی خواہشات کو چھوڑ کر للّٰہیت تزکیۂ نفس و تطہیر قلب کے لیے مجاہدہ کرنے والے کو صوفی کہا جاتا ہے۔ صوفیت پر نقد کے حوالے سے الشیخ عبد الرحمان عبد الخالق نے کتاب، الفکر الصوفی فی ضوء القرآن والسنۃ نام سے لکھی ہے جو عربی زبان میں ہے۔ شیخ عبد الرحمن عبد الخالق کا تعلق کویت سے ہے۔ آپ کا شمار کویت کے مشہور سلفی علماء میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق کویت کے مشہور ادارہ، الدار السلفیہ کے ساتھ ہے۔ آپ ہمیشہ اس کوشش میں سرگرم رہے ہیں کہ اسلام کا تابناک چہرہ بدعات وخرافات سے مس نہ ہونے پائے۔ یہ کتاب ان کے اسی نظریہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اہل تصوف کی بے اعتدالیوں کا ذکر کیا ہے۔[1]

محمد صادق خلیل نے الفکر الصوفی فی ضوء القرآن والسنۃ، کا اردو ترجمہ کیا ہے اور اس کا نام 'افکار صوفیاء، کتاب وسنت کی روشنی میں' رکھا ہے۔ مترجم یہ ترجمہ کرنے کی تحریک کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> آج سے پانچ سال قبل جب انہوں (عبد الرحمان عبد الخالق) نے میری جانب کچھ کتابیں اور رسائل ارسال فرمائے، ان کا اصرار تھا کہ الفکر الصوفی کا اردو ترجمہ کیا جائے۔ گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے یہ کام معرض التوا پڑا رہا۔ اور ترجمہ کی تکمیل کے بعد بھی دو سال تک اس بات کی جانب نہ کر سکا۔ اب حالات نے کچھ ساتھ دیا، اللہ پاک کے کرم سے کتاب آپ کے سامنے ہے۔[2]

مترجم نے اس کتاب میں اس کے حوالے سے حقیقت کے برعکس رویہ اختیار کیا ہے۔ صوفیانہ نظریات میں پائی جانے والی کچھ غیر مقبول اور خلاف شرع روایات کے حوالے سے تو مصنف نے نقد کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے تصوف کو اسلام کے خلاف سازش قرار دیا ہے۔ مترجم کے بقول تصوف اسلام کے خلاف سازش ہے۔ اسلام کے دشمنوں نے اپنی ناپسندیدہ اغراض کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تصوف ایجاد کیا ہے۔ مترجم لکھتے ہیں:

> اسلام کے دشمنوں نے اپنی اغراض مشئومہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نہایت خطرناک سازشیں تیار کیں۔ ان کی انتہائی خطرناک سازش یہ تھی کہ انہوں نے تصوف اور متصوفین کے دام تزویر کو خوبصورت لباس میں پیش کیا۔ اس طرح وہ لوگوں کو بہکانے کا انوکھا جال لے کر میدان میں اترے۔ خیال رہے کہ تصوف کا نظریہ قدیم نظریہ ہے۔ اور یہ نظریہ آہستہ آہستہ دنیا میں پھیلتا چلا گیا۔ اس لیے ضرورت محسوس کی گئی تصوف کی اصل حقیقت کو اجاگر کیا جائے۔ اور اس کے اصول وفروع کو پیش کیا

جائے تاکہ اسلام کے روشن اور تابناک چہرے کو اس قسم کی ملمع سازیوں، بہتان طرازیوں اور بدنما داغ دھبوں سے صاف رکھا جائے۔[3]

یہ کتاب ایک مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ ذیل میں ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے:

مقدمہ کتاب

مقدمہ کا آغاز ایک عربی خطبہ سے ہوتا ہے جس میں اس کتاب کے مصنف عبد الرحمن عبد الخالق نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا ہے۔ مقدمہ میں مصنف نے لکھا ہے کہ تصوف ایک غیر اسلامی تحریک ہے۔ مصنف کے بقول دوسری صدی ہجری کے نصف میں اس کا آغاز ہوتا ہے۔ اور صرف ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں تحریک عقائد و فنون میں آخری سرحدوں تک جا پہنچتی ہے۔ گویا کہ تیسری صدی کے آخر میں اسے کمال حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مسلمانوں کا دین اور عقیدہ تصوف اور اس کی ایجاد کردہ اصطلاحات کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔[4] اس کتاب کے مصنف کے بقول صوفیا نے غیر مسلموں کو مسلمانوں کے خلاف فتح پانے میں مدد فراہم کی۔ انھوں نے صوفیاء پر یہ الزام لگایا ہے کہ صوفیا نے لوگوں کو دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تلوار کے بجائے وظائف پڑھنے پر لگا دیا۔ مصنف کہتے ہیں کہ صوفیا نے غیر مسلموں کی معاونت کی۔ مغرب میں شیخ احمد تیجانی کے متبعین نے فرانسیسیوں کے قدموں کو افریقہ کے شمال اور مغرب میں مضبوط کیا۔ سوڈان میں سید میر غنی اور طریقہ ختمیہ کی متصوفانہ تحریک نے انگریزوں کے عمل دخل کے اسباب کو تقویت بخشی۔ جس کے نتیجہ میں سوڈان میں مہدوی تحریک کا خاتمہ ہو گیا گویا کہ تصوف کی تحریک نے ہر دور میں اسلام کو نقصان پہنچایا اور آج بھی یہ تحریک پورے شباب پر نظر آ رہی ہے۔[5] کتاب کے مصنف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ تصوف کی مکمل حقیقت سے واقف ہیں۔ انہوں نے تصوف کی حمایت اور مخالفت، ہر دو طرح کے دلائل کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مصنف نے اپنی کتاب میں تصوف کے اسی پہلو کو زیادہ انداز میں پیش کیا ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ان کے بقول تصوف در اصل فلسفہ کی پیداوار ہے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ اسلام سے قبل افلاطون اور اس کے رفقاء فلسفیوں اور ہندوستان کے فلاسفرز نے تصوف کی سرپرستی کی اور اس کی اشاعت میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ ہندوستان کے باشندے قدیم زمانہ سے لے کر آج تک تصوف کے دلدادہ رہے ہیں اور اس کے بنیادی عقائد وحدت الوجود وغیرہ کے پرچار میں کوشاں رہے ہیں۔ اس کتاب کے مقدمہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے تصوف اور زہد کو الگ الگ حقیقتیں قرار دیا ہے۔ مصنف کے بقول زہد اسلامی عقیدہ ہے اور تصوف کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔[6]

مصنف کا درج بالا نظریہ جس میں انہوں نے تصوف اور زہد کو الگ الگ چیزیں قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف صوفیانہ افکار کو اسلامی افکار ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ان کے بقول صوفیت اور تصوف کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ جبکہ حقیقت میں دیکھا جائے تو مصنف کی یہ بات حقیقت کے بالکل برعکس نظر آتی ہیں۔ اس لیے کہ صوفیانہ افکار میں قرآن و سنت کو ہر جگہ مد نظر رکھا گیا ہے۔

باب اول کا تجزیاتی مطالعہ

باب اول میں مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ اسلامی عقائد کی بنیاد قرآن و سنت پر ہے۔ اس باب میں مصنف نے اسلام سے قبل عربوں، عیسائیوں، یہودیوں اور فلاسفہ وغیرہ کی حالت بیان کی ہے۔ اس باب میں مصنف نے خاص طور پر فلاسفہ اور ان کے

عقائد کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے تیار کئے ہوئے تھے۔ اور بعد میں مسلمان صوفیوں نے ان کو اختیار کر لیا۔ مصنف کے بقول ایران وہندوستان منطق اور فلسفہ کا گہوارہ تھے۔ جہاں ہر فلسفی اپنا الگ نظریہ رکھتا تھا۔ اور اپنے خیال کے مطابق اپنے معبود کی بہترین تصویر کشی کر کے اپنے دل ودماغ کو تسلی دے رہا تھا۔ بعض فلاسفہ نے دو خداؤں کا تصور قائم کر رکھا تھا کہ علم کے دو خدا ہیں۔ ایک روشنی والا ہے وہ دوسرا اندھیرے والا ہے۔ بعض نے کائنات کے خالق خدا کا اقرار کیا۔ اور انسان کو اس قابل بنایا کہ وہ اپنے نفس کو ہر قسم کے مجاہدات کر کے فنا کر دے اور خالق کائنات کے ساتھ جا ملے۔ بعض نے ذات واحد کے وجود کو کلی قرار دیا کہ صفات کے لحاظ سے اس کے متعدد موجود ہیں۔ اس باب میں مصنف نے اتباع رسول کے قرآن وسنت کی روشنی میں کئی دلائل ذکر کیے ہیں۔ مصنف نے کئی احادیث بھی ذکر کی ہیں۔ مترجم نے ان پر جرح ونقد بھی کیا ہے۔ مثلا ایک حدیث مصنف نے ذکر کی ہے جو یوں ہے:

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: قَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَالَ: أَنَا فِي الْجَنَّةِ فَهُوَ فِي النَّارِ"۔[7]

حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا میں جنت میں ہوں تو وہ جہنم میں ہے۔

مترجم اس حدیث پر نقد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: یہ حدیث ضعیف ہے۔ حافظ سخاوی نے اس کو المقاصد الحسنہ میں ذکر کیا ہے ۔ دوسری حدیث کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ اس کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: من قال انا مؤمن فھو کافر ومن قال انا عالم فھو جاھل۔ جس شخص نے خود کو مومن کہا وہ کافر ہے اور جس نے خود کو عالم کہا وہ جاہل ہے۔) یہی حدیث مسند دیلمی میں جابر سے سخت کمزور سند کے ساتھ مروی ہے۔ نیز اس حدیث کو حارث بن ابی اسامہ نے عمر سے موقوف روایت کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ منقطع بھی ہے۔[8] اس کے علاوہ اس باب میں مصنف نے کہانت کا بھی ذکر کیا ہے اور علم غیب کا بھی کہ غیب کی خبروں اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔ مصنف نے کہانت وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے مشہور کاہن ابن صیاد کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ کہانت شیطانی عمل ہے۔ مصنف اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ صوفیاء جو پوشیدہ باتیں جاننے اور بتانے کا دعوی کرتے ہیں، ان کا تعلق بھی کہانت کے ساتھ ہی ہے۔

باب دوم کا تجزیاتی مطالعہ

مصنف نے دوسرے باب کا نام "شریعت اسلامیہ کی بنیاد قرآن وسنت ہیں"، رکھا ہے۔ اور اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ شریعت اسلامیہ سے مراد عبادات، معاملات، سیاسیات، معاشیات، اقتصادیات وغیرہ ہیں۔ جن میں کتاب وسنت سے راہ نمائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ البتہ عبادات کے علاوہ دیگر امور میں اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا ہے۔ لیکن عبادات جن سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، ان میں شرعی حد سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان میں کمی بیشی کرنے سے روک دیا ہے اور کسی کو اجازت نہیں کہ وہ اپنی طرف سے ان میں تبدیلی کرتا پھرے۔[9] اس باب میں مصنف نے احادیث نبویہ سے کچھ دلائل دیے ہیں اور ان سے ثابت کیا ہے کہ شریعت اسلامیہ پر چلنا ہی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور طریقے پر چلنا جائز نہیں ہے۔ ان دلائل کے بعد مصنف نے کچھ حقیقتیں بیان کی ہیں جو ان کے نزدیک قرآن وسنت سے مستنبط ہیں۔ مثلا تیسری حقیقت مصنف نے یوں بیان کی ہے: عبادات میں کئی قسم کی زیادتی کرنا اگرچہ اس سے مقصود اللہ کا قرب حاصل کرنا ہو، ایسی بدعت ہے، جو کہ چھوڑنا ضروری ہے۔ اسی طرح اصلاح نفس کے لیے ایسے اوراد ووظائف جن کا ذکر

کتاب و سنت میں نہیں ہے، وہ بھی بدعت ہیں۔ اگرچہ اس قسم کی بدعات کا صدور ایسے لوگوں سے ہو رہا ہو، جو اسلام کی طرف اپنی نسبت رکھتے ہیں اور اس کے داعی ہیں۔[10] اہل تصوف پر تنقید کرتے ہوئے سختی کا مظاہرہ کیا ہے۔ مصنف نے ہر اس وظیفہ اور عمل کو بدعت کہہ کر غیر شرعی قرار دے دیا ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی کے اندر ہے۔ یہ ایک انتہائی نظریہ ہے۔ کیونکہ اللہ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا کے لیے نئے الفاظ و تراکیب کا استعمال احسن اقدام ہے جس کی تحسین ہونی چاہیے نا کہ مذمت۔

تیسرا باب کا تجزیاتی مطالعہ

صاحب کتاب نے تیسرے باب میں تصوف کے علمبردار ابراہیم بن ادھم کا تذکرہ کیا ہے۔ مصنف نے تیسرے باب کا نام "تصوف کے علمبردار ابراہیم بن ادھم" رکھا ہے۔ اس میں مصنف نے ابراہیم بن ادھم کے مختصر حالات ذکر کیے ہیں اور ان کی زندگی میں آنے والے انقلاب کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے ابراہیم بن ادھم کی زندگی کے دو مشہور واقعات کا تذکرہ کیا ہے اور پھر ان کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ ان میں سے پہلا واقعہ وہ ہے جس کی وجہ سے ابراہیم بن ادھم کی شاہانہ زندگی میں انقلاب آیا۔ مصنف اس کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ابراہیم بن بشار بیان کرتے ہیں کہ میں شام میں ابراہیم بن ادہم کی رفاقت میں تھا۔ میرے ساتھ دو اور ساتھی بھی تھے۔ ایک کا نام ابو یوسف غسولی اور دوسرے کا نام ابو عبد اللہ سنجاری تھا۔ میں نے ابراہیم بن ادھم سے دریافت کیا کہ آپ میں کیسے انقلاب آیا۔ اس نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میرا باپ خراسان کے شاہی خاندان سے تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں جوان تھا۔ میں سواری پر سوار ہو کر شکار کرنے جنگل کی طرف نکلا۔ شکاری کتا میرے ساتھ تھا۔ میں خرگوش یا لومڑی کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ میں اس تلاش میں ادھر ادھر سرگرداں بادیہ پیمائی کر رہا تھا کہ اچانک ہاتف نے آواز دی۔ (اگرچہ مجھے آواز دینے والا نظر نہیں آرہا تھا) اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا اے ابراہیم! کیا تمہیں اس لیے پیدا کیا گیا تھا یا تمہیں اس کام کا حکم دیا گیا تھا؟ میں اس غیبی آواز سے گھبرا گیا۔ سکتہ کے عالم میں پاؤں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔[11]

یہ واقعہ اگرچہ طویل ہے لیکن مصنف نے اس کی ضروری تفصیلات کا ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ کی اصل اور مکمل تفصیلات طبقات الصوفیہ نامی کتاب میں ملتی ہیں۔[12] مصنف کتاب نے اس حکایت کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اس پر نقد کیا ہے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ اولا: پہلی حکایت میں ابراہیم بن ادھم کا ہاتف کی آواز سننا پھر گھوڑے کی زین سے کلام سننا اور رہنمائی حاصل کرنا کیا شرعا رہنمائی کا یہ طریقہ کار ثابت ہے؟ قطع نظر اس سے کہ حکایت صحیح ہے یا نہیں جب ہم کتاب و سنت کے نصوص پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ ہدایت اسلام کے بیان کردہ طریقہ ہدایت کے منافی ہے۔ جب کہ اسلام میں ہدایت کا سرچشمہ اللہ کی کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو سیدھا راہ دکھانے کے لیے اتارا ہے۔ جس میں دلائل کے ساتھ ہر دعوی کو اس طرح ثبت کیا ہے کہ پھر بات کرنے کی گنجائش موجود نہیں ہے۔ مصنف نے جتنی بھی تفصیل لکھی ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہاتف غیبی وغیرہ سے آواز کا کوئی طریقہ اسلام میں متداول نہیں۔ مصنف فی نفسہ غیب سے کسی مدد کے منحرف نہیں لیکن حکایت میں مذکور طریقہ کی سختی سے نفی کرتے ہیں۔[13]

چوتھا باب کا تجزیاتی مطالعہ

چوتھا باب اسلام اور تصوف کے نام ہے جس میں تصوف کے بارے میں مختلف صوفیاء کے اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ مصنف نے اس باب میں صوفیاء کی کچھ ایسی حکایات کا بھی ذکر کیا ہے، جو غیر معقول اور حقیقت کے برعکس محسوس ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض اقوال پر مصنف نے نقد بھی کیا گیا ہے۔ مثلا مصنف نے ابو حمزہ صوفی کے حوالے سے ایک روایت ذکر کی ہے جس میں بکری کے حوالے سے ایک عجیب واقعہ ذکر ہے۔ یہ واقعہ تصوف کی کتاب اللمع فی التصوف میں مذکور ہے۔ اللمع کے مصنف لکھتے ہیں کہ ابو حمزہ صوفی کا حارث محاسبی کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں حارث کی بکری نے جب میں میں کی آواز کی تو ابو حمزہ صوفی ہچکیاں لینے لگے اور بکری سے مخاطب ہو کر کہنے لگے لبیک یا سیدی (یعنی میرے آقا میں حاضر ہوں)۔ اس پر حارث محاسبی نے اسے ٹوکا۔ ابو حمزہ نے اس کا جواب دیا کہ تیرے انکار کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کے میدان میں ابھی تم مبتدی ہو یعنی تم ابھی تک وحدۃ الوجود کے نظریہ کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکے ہو۔[14] مصنف نے اس باب میں اسی قسم کے واقعات ہی ذکر کیے ہیں جن سے تصوف کی بے عقلیت اور فہم سے بالا حکایات کا ذکر پایا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے محض انہی حکایات پر اکتفا کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔ انہیں تصوف کی اصل اور شریعت کے مطابق تعلیمات کا تذکرہ مقصود نہیں تھا۔

پانچواں باب کا تجزیاتی مطالعہ

اس باب میں مصنف نے عقیدہ تصوف کے ادوار کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے صوفیاء کے ہاں عبادت کے تصور کے حوالے سے روشنی ڈالی ہے۔ مصنف کے بقول صوفیاء کا خیال ہے کہ اللہ پاک کی صحیح عبادت یہ ہے کہ جس میں آپ اللہ سے کسی قسم کا معاوضہ طلب نہ کریں۔ نیز آپ کو اپنا فعل نظر نہ آئے بلکہ آپ یہ سمجھیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اس لیے کہ جو صوفی عبادت میں اپنی حیثیت کو ثابت کرنے کے لیے چند دلائل پیش کرتے ہیں ابو بکر کلاباذی اپنی کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف میں ذکر کیا ہے کہ صوفی کے لیے ضروری ہے کہ وہ صحیح معنی میں اللہ کی عبادت کرے۔[15] مصنف نے اس باب میں علامہ ابن عربی کے نظریات پر نقد کرتے ہوئے ان کا رد کیا ہے۔ مصنف نے ابن عربی پر نقد کرتے ہوئے ان کے افکار و نظریات کو ہفوات اور باطل قرار دیا ہے۔[16] مصنف نے ابن العربی کی کتاب 'فصوص الحکم' کو خصوصا ہدف تنقید بنایا ہے۔ انہوں نے اس کتاب کے مندرجات پر نقد کرتے ہوئے انہیں ہفوات اور لغویات قرار دیا ہے۔ ایک مقام پر مذکور کتاب پر نقد کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ ہم بلا جھجک اپنی عادلانہ رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ ابن عربی نے مقدمہ میں جن تمہیدی باتوں کا ذکر کیا ہے، وہ جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ کلام کے بین السطور یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ ابن عربی ان باتوں کے نقل کرنے میں بڑے شد و مد کے ساتھ اصرار کرتے ہیں کہ مجھے ان کا علم بالمشافہ حاصل ہوا ہے۔ لوح محفوظ سے میں نے ان کو نقل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مجھے آگاہی ہوئی اور یہی وہ باتیں ہیں جو خواب میں دکھائی گئی ہیں۔ اور آپ نے لوگوں سے کہا کہ میں خواب میں عطا کی گئی کتاب پیش کرتا ہوں۔[17]

زیر بحث کتاب کا تجزیاتی مطالعہ

کتاب 'افکار صوفیاء، قرآن و سنت کی روشنی میں'' بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے تصوف کو مطلقا باطل اور مہلک تصور کیا ہے۔ جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے خیال رہے کہ تصوف ایسی مہلک بیماری ہے جس نے امت مسلمہ میں افتراق کی خلیج کو

وسیع کیا۔ اس کی ترویج و اشاعت سے بدعات کو فروغ حاصل ہوا۔ تاریخ گواہ ہے کہ صوفیاء کی جانب سے ہر دور میں توحید و سنت کے روشن چہرے کو مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔[18] مصنف کی یہ رائے تشدد اور جانبداریت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ تصوف میں بے شمار باطل افکار و نظریات شامل ہو گئے ہیں، لیکن وہ تصوف کا حصہ نہیں ہیں بلکہ باطل ہی ہیں۔ اہل تصوف میں سے اہل حق نے انہیں کبھی بھی درست تسلیم نہیں کیا۔

ابن عربی پر نقد

مصنف نے ابن العربی پر کافی تنقید کی ہے۔ یہاں تک کہ انہیں 'الشیخ الاکبر' کی جگہ 'الشیخ الکفر'[19] تک کہا ہے۔ لیکن صاحب کتاب کی تنقید صحیح محسوس نہیں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے ابن العربی کو متبع شریعت اور اللہ سے محبت رکھنے والا شخص قرار دیا ہے۔ جیسا کہ علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ کتاب اور سنت کے پابند تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایک لحظے کے لیے بھی میزان شرع کو اپنے ہاتھ سے پھینک دے گا وہ یقینا ہلاک ہو جائے گا۔ ان کی تصانیف میں جو عبارتیں ظاہر شریعت سے معارض ہیں، وہ سب مدسوس ہیں۔ یعنی دوسروں کی داخل کی ہوئی ہیں۔ مجھے اس حقیقت سے سید ابو الطاہر المغربی نے آگاہ کیا ہے جو اس وقت مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے مجھے فتوحات کا وہ نسخہ دکھایا جس کا مقابلہ انہوں نے قونیہ میں شیخ اکبر کے ہاتھ سے لکھے ہوئے نسخہ سے کیا تھا۔ اس نسخے میں وہ فقرے موجود نہیں تھے جو میرے نسخے میں تھے اور میں نے ان فقروں میں توقف کیا تھا جب میں فتوحات پر اختصار کر رہا تھا۔[20]

کتاب کا تنقیدی جائزہ

مذکور کتاب میں مصنف نے تصوف کے حوالے سے کئی اشکالات کا ذکر کر کے اپنی رائے دی ہے اور لکھا ہے کہ صوفیاء گمراہ ہیں جو دوسروں کو بھی سیدھے راستے سے گمراہ کرتے ہیں۔ مصنف نے اپنی کتاب میں تصوف کو رہبانیت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

> خیال رہے کہ تصوف اور رہبانیت میں مکمل یگانگت ہے۔[21]

مصنف کا یہ کہنا کہ تصوف اور رہبانیت ایک جیسے ہیں، علمی اور تاریخی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رہبانیت میں راہب مکمل طور پر دنیا کو چھوڑ کر الگ تھلگ ہو جاتا ہے جبکہ صوفی اللہ کی ذات میں گم ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا کے معاملات میں بھی حصہ لیتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس کے کئی شواہد ذکر کیے جاسکتے ہیں۔ صوفیاء نے دنیا سے بے رغبتی اور اس کی بے ثباتی کا جس انداز میں ذکر کیا ہے، معترضین نے اس کو رہبانیت سے مشابہ قرار دے کر غلط مبحث کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر صوفیاء فقر کی تعلیم دیتے ہیں جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر سے پناہ مانگی ہے۔ اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ صوفیاء شریعت کے خلاف کام کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت میں صوفیاء کی مراد محض دنیاوی لالچ سے بچنا اور غیر ضروری مال جمع کرنے سے منع کرنا ہوتا تھا۔ مصنف نے تصوف کو اسلام کے خلاف سازش قرار دیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اسلام کے خلاف تصوف کے ذریعے خطرناک سازش کی گئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: یہ ایک انتہائی خطرناک سازش تھی کہ انہوں نے تصوف اور متصوفین کے دام تزویر کو خوب صورت لباس میں پیش کیا۔ اس طرح وہ لوگوں کو بہکانے کا انوکھا جال لے کر میدان میں اترے۔ خیال رہے کہ تصوف کا نظریہ قدیم ہے اور یہ نظریہ آہستہ آہستہ امت محمدیہ میں پھیلتا چلا گیا۔[22]

مصنف کا تصوف کو اسلام کے خلاف قرار دینا اور اس کو اسلام کے خلاف خطرناک سازش قرار دینا غلو اور مبالغہ آرائی ہے۔ مصنف کی یہ بات ان کی انتہا پسندی کے بارے میں پتہ دیتی ہے۔ آئینہ تصوف میں پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی نے تصوف کے ابتداء کے حوالے سے بہت عمدہ تذکرہ کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ "عرب کے آلائش زدہ معاشرے میں ہمہ صفت موصوف، گدلے پانی میں کنول کے پھول کی طرح پاکیزہ، صادق اور امین، نبوت سے قبل غار حرا میں گوشہ نشینی، مادی دنیا سے بے نیاز ہو کر کچھ وقت تنہائی میں بیٹھ کر غور و فکر کرنا۔ معرفت خالق، معرفت کائنات اور معرفت نفس انسانی کا حصول، معرفت الٰہی کے لیے یا تو غار حرا تھی، یا شب بھر کی تنہائی یا رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف۔ کچھ وقت کے لیے دنیا سے کٹ کر خالق کی طرف روحانی عروج، رات کے سناٹوں میں، وقت تہجد کی خاموشی میں، چپکے چپکے اپنے خالق کو یاد کرنا تصوف ہی ہے۔ کفار کی ایذا رسانیوں پر صبر اور توکل کرنا ان کے ظلم کے بدلے دعا دینا، عفو و درگزر کی انتہا کر دینا، سراپائے رحمت اور پیکر تسلیم رہنا، جیتے جاگتے معاشرے میں رہ کر زہد، قناعت اور فقر کی بلندیوں کو چھو لینا۔ شدید اور نامساعد حالات میں بھی تبلیغ دین اور ترویج اسلام کے لیے مساعی جمیلہ، کیا یہ سب تصوف نہیں ہے؟ معلم انسانیت، مکارم اخلاق، منبع جود و سخا، یاد الٰہی میں استغراق، خوف الٰہی میں توبہ و استغفار، محرمات الٰہی میں ورع، متاع دنیا سے زہد و استغنا، فقر میں فخر، مصیبت میں پیکر صبر و رضا اور توکل کی انتہا، زندگی سراپا ایثار و محبت، جہد مسلسل، مجسم صدق و صفا۔۔۔ یہ سب تصوف کی بنیادیں ہی تو ہیں جن پر دین اسلام کی عظیم الشان عمارت کھڑی ہے۔"[23] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف میں جن اعمال کی ترغیب دی جاتی ہے، وہ زمانہ نبوت میں بھی متعارف تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کو اپنی جان پر نافذ کر لینا ہی درحقیقت تصوف ہے۔ لہٰذا اسے اسلام کے خلاف سازش قرار دینا محض الزام اور بدطینتی کے سوا کچھ نہیں۔

مصنف نے تصوف اور صوفیاء میں رائج کئی ایسی باتوں کا بھی ذکر کیا ہے، جو حقیقت میں غلط ہیں۔ مصنف نے ان پر تنقید کرتے ہوئے تحقیق کے اصولوں کو مد نظر رکھا ہے۔ مثلاً ایک مقام پر وہ صوفیاء کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں: حکایت میں اسلم بن یزید، ابراہیم بن ادہم کی خیر خواہی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے نوجوان! تجھے نیک لوگوں کی مجلس اختیار کرنی چاہیے اور ان کی خدمت میں تواضع، انکساری کا دامن تھامے رکھنا ہو گا اگرچہ وہ تجھے برا بھلا کہیں، گالی گلوچ دیں یہاں تک کہ مار پیٹ کو بھی برداشت کرنا ہو گا۔[24] یہ بات حقیقت ہے کہ صوفیاء کا کام ہے لوگوں کو نیکی اور سیدھے راستے کی تلقین کرنا۔ گالم گلوچ کرنا، مار پیٹ کرنا صوفیاء کا کام نہیں ہے۔ درحقیقت ابراہیم بن ادہم اور اسلم بن یزید کے واقعہ میں بعد کے تاریخ نگاروں نے اپنی طرف سے مواد شامل کیا ہے اور حقیقت واقعہ کو مرقع و مرصع کر کے پیش کیا ہے جس کی وجہ سے اسلم بن یزید کے پیغام کی حقیقی روح چھپ کر رہ گئی ہے۔ اسلامی معاشرے کا ہر فرد انفرادی طور پر تصوف کا محتاج ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ اسلامی معاشرے کا وجود و بقا ایسے افراد پر منحصر ہے جو اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الذہن ہوں ایسے مطلوبہ افراد صرف اسی صورت میں میسر آسکتے ہیں۔ اگر انسانی شعور انحراف کے تمام میلانات سے پاک و منزہ ہو۔ جب تک نفس انسانی کا تزکیہ نہ ہو انحراف شعور اور اختلال سیرت کے رفع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ غیر مزکی نفس انسان کو ہمیشہ بداعمالیوں پر اکساتا ہے۔ ہدایت ربانی خود اس امر کا فیصلہ کرتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

إنّ النفس لأمارة بالسوء۔[25]

بے شک نفس برائی کا حکم دینے والا

اب سوال یہ ہے کہ نفس کے میلان انحراف اور رجحان تمرد سے نجات و فلاح کیونکر حاصل ہو۔ قرآن حکیم اس بارے فصاحت و صراحت سے حکم دیتا ہے۔

قد افلح من زکھا۔[26]

گویا جس کسی نے بھی نفس کا تزکیہ کر لیا وہ فلاح پا گیا۔

چنانچہ انسان کو اعمال و کردار کے اعتبار سے مزکی و منقاد ہونے کے لئے اپنے نفس کا تزکیہ درکار ہے اور اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

خلاصۂ بحث

الغرض تصوف کے رائج مفہوم اور متصوفین، جہلاء اور شریعت سے نابلد چند افراد کے برے، غلط، خلاف شرع اور بد طینت اعمال کی وجہ سے تصوف کو فی نفسہ اسلام سے خارج کرنا کسی طور صحیح نہیں ہے۔ تصوف در حقیقت وہی ہے جس کو ابتدائے اسلام میں زہد، قرآن میں تزکیہ اور صوفیاء کے ہاں صفائے باطن کہا جاتا ہے۔ صوفیاء کی زیادہ تر باتیں رمزاً ہوتی ہیں۔ لیکن ان کا مفہوم کسی طور خلاف شرع نہیں ہوتا۔ اس لیے بجنبش یک قلم تصوف کو غیر اسلامی، رہبانیت پر مبنی اور اسلام سے خارج قرار دینا انتہا پسندانہ سوچ ہے جو کہ کسی طور صحیح نہیں ہو سکتی۔

References

[1] Muhammad Sādiq Khalīl, *Afkār-e-Soofiā: Quran o Sunnat ki Roshni main* (Faisalabad: Ziā al-Sunnah,1 404), 9.
[2] Sādiq Khalīl, *Afkār-e-Soofiā*, 9.
[3] Sādiq Khalīl, *Afkār-e-Soofiā*, 11.
[4] Sādiq Khalīl, *Afkār-e-Soofiā*, 14
[5] Sādiq Khalīl, *Afkār-e-Soofiā*
[6] Sādiq Khalīl, *Afkār-e-Soofiā*, 17.
[7] 'Alī Ibn al-Jād Ibn 'Ubaid al-Jowharī, *Musnad Ibn-e-Jād* (Beirūt: Moasisa Nādir, 1990), Hadith No: 1347, 1:459.
[8] Ibn 'Ubaid al-Jowharī, *Musnad Ibn-e-Jād*, 33.
[9] Ibn 'Ubaid al-Jowharī, *Musnad Ibn-e-Jād*, 28.
[10] Ibn 'Ubaid al-Jowharī, *Musnad Ibn-e-Jād*, 49.
[11] Ibn 'Ubaid al-Jowharī, *Musnad Ibn-e-Jād* 52.
[12] Abū 'Abd al-Rehmān, Muhammad Ibn Hussain al-Sulamī, *Tabqāt al-Soofiā* (Beirūt: Dār al Masadr), 22-24.
[13]-Ibdi, p:60-70
[14] Abū Nasar 'Abdulllah Ibn Sirāj Al-Towsī, *Al-Lama fī al-Tasawuf* (Lahore: Islamic Book Foundation), 495.
[15] Ibn Sirāj Al-Towsī, *Al-Lama fī al-Tswuf*, 121.
[16] Ibn Sirāj Al-Towsī, *Al-Lama fī al-Tswuf*, 11.
[17] Ibn Sirāj Al-Towsī, *Al-Lama fī al-Tswuf*, 127-126.
[18] Ibn Sirāj Al-Towsī, *Al-Lama fī al-Tswuf*, 121.
[19] Ibn Sirāj Al-Towsī, *Al-Lama fī al-Tswuf*, 147
[20] Syed Abd al-Wahāb Sharanī, *Al-Yawaqeet wa al-Jwahir* (Faisalabad: Nooria Rizwia, 8.
[21] Abd al-Wahāb Sharanī, *Al-Yawaqeet wa al-Jwahir*.

[22] Abd al-Wahāb Sharanī, *Al-Yawaqeet wa al-Jwahir*, 11.
[23] Ziā al-Hassan Fārooqī, Aina Tasawuf (Lahore: Zāhid Bashīr Printers, 1999), 77.
[24] Fārooqī, Aina Tasawuf, 69.
[25] Sura Yousuf 12:53.
[26] Sura Al-Shamas 41:9.